کربلا، خودی کی سربلندی اور انسانی کرامت کی معراج

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

sheikh.hasnain26060@gmail.com

کلیدی کلمات: کربلا، خودی، خدائی، کرامت، عشقِ الٰہی، حضرت امام حسین علیہ السلام

خلاصہ

واقعۂ کربلا ایک ایسا بابرکت شجر ہے جو ہر دَور کے انسانوں کو اُن کے حالات و ضروریات کے مطابق ہدایت کا عظیم ثمر عطا کرتا ہے۔ البتہ ہر دور کے انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کربلا کو ایسے زاویوں سے دیکھے جو اس کے سامنے کربلا کی نئی تصویر اور نیا رُخ پیش کریں۔ زیرِ نظر مقالہ میں کربلا کے واقعہ کو انسانی کرامت اور خودی کی سربلندی کے اُفق سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مقالہ کے مطابق، اللہ تعالیٰ نے جو خودی اور کرامت، انسان کو عطا کی ہے، وہ کائنات کی کسی مخلوق کو عطا نہیں کی۔ انسانی خودی، خدائی سے تشکیل پاتی ہے اور حقیقی خودی میں خدائی پائی جاتی ہے۔ لیکن اگر انسان خودی کے وقار کا خیال نہ رکھے اور اِسے پَست دنیا کے بدلے بیچ ڈالے تو یہ انسانی کرامت کو گنوانا اور انسانیّت کے مقام سے گر کر حیوانیّت کے درجہ تک سقوط کے مترادف ہے۔

اگر اس تناظر میں کربلا کے واقعہ کا مشاہدہ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب نے میدان کربلا میں انسانی نفس کی بلندیوں کی وہ چوٹی سر کی جس تک عام انسانوں کے مرغِ تخیّل کی رسائی ممکن نہیں۔ اہلِ کربلا کی خودی عشقِ الٰہی کی غیرت سے اتنی محکم تھی کہ انہوں نے ہرگز ذلّت قبول نہ کی اور عزّت کی موت کو ذلّت کی زندگی پر ترجیح دی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی خودی میں ڈوب کر زندۂ جاوید ہوئے اور جریدۂ عالم پر اُن کا دوام ہمیشہ کے لئے ثبت ہو گیا۔

کربلا، شجرۂ طیبہ

واقعۂ کربلا کا شمار اُن حقائق میں سے ہوتا ہے جو ہر دَور میں، اُس دور کے تقاضوں کے مطابق، اپنی تفسیر خود پیش کرتے ہیں۔ یہ بابرکت شجر ہر دَور کے انسانوں کو اُن کے حالات و ضروریات کے مطابق ہدایت کا عظیم ثمر عطا کرتا ہے۔ بے شک، کربلا قرآن کریم کی اِس آیۂ مجیدہ کا بہترین مصداق ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ

تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (1)

یعنی: "آیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاکیزہ کلمہ کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے؛ کہ یہ، اُس پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ (زمین میں مضبوطی سے) گڑھی ہے اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ وہ (درخت) اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہے؛ اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔"

لہٰذا کربلا وہ پاکیزہ درخت ہے جس کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں پیوست اور شاخیں ثریا کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں اور یہ درخت ہمیشہ سایہ دار اور ہر وقت پھل دے رہا ہے۔ کربلا، جہاں انسانی احساسات و عواطف رکھنے والوں کے لئے تصویرِ غم ہے، وہاں اہلِ عرفان کے لئے عبد و معبود

کے درمیان امر اور امتثال کا انتہائی حسین، جمالیاتی منظر ہے۔ یہ، دین داروں کے لئے معبود کی بارگاہ میں ایک عابد کا مخلصانہ سجدۂ شکر بجالانے کی عالی ترین مثال اور اہلِ دنیا کے لئے دنیاداری کے سنہری اصولوں کا مرقّع ہے۔

کربلا، سیاست دانوں کے لئے رہنما اور عوام کے لئے ہدایت کا روشن چراغ ہے۔ کربلا، انسانی حقوق کے علمبرداروں کے لئے انسانی حقوق کی پاسداری کا عظیم شاہکار اور اخلاقی اقدار کا دَم بھرنے والوں کے لئے اخلاقی ضابطوں کی ہر حال میں پابندی کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔ کربلا، خالقِ کائنات کے حقِ اطاعت کی ادائیگی کی عظیم الشان مثال اور سیر و سلوک کی وادیوں میں سفر کرنے والوں کے لئے انقطاع الی اللہ و قرب الی اللہ کی معراج ہے۔

غرضیکہ، کربلا کو جس زاویے سے دیکھا جائے، یہ ایک نیا منظر، نئی جہت اور نئی روشنی عطا کرتی ہے۔ لیکن جب واقعۂ کربلا پر نظر دوڑانے والے، اکثر اِسے فقط ایک ہی زاویے سے دیکھتے ہیں تو کربلا بھی اُن کے سامنے اپنی تجلّیات میں سے محض ایک ہی تجلّی پیش کرتی ہے۔ جو لوگ کربلا کو ہمیشہ انسانی جذبات و احساسات اور مصائب و مشکلات کے منظر سے دیکھتے ہیں، کربلا اُن کے سامنے ایک رونے رُلانے کی پاکیزہ داستان اور انسانی احساس کی پاکیزگی، طہارت، عروج اور کمال کی تجلّی کے سوا کوئی اور تجلّی پیش نہیں کرتی۔ ایسے لوگوں کے سامنے کربلا کے کئی پہلو پوشیدہ رہ جاتے ہیں۔

بالکل ایک ایسے انسان کی طرح کہ جو فنِّ تعمیر کے ایک عظیم الشان شاہکار، بہت بڑے قلعے کے محض ایک کونے میں بیٹھا، اُسی کونے کے فنِّ تعمیر کا مشاہدہ کر رہا ہو اور اُس قلعہ کے دیگر حصّوں کے تعمیری شاہکار کے مشاہدے سے بالکل غافل ہو۔ جب تک اُسے قلعے کے ایک کونے سے نکال کر مشاہدے اور دید کے نئے زاویے مہیانہ کر دیے جائیں، وہ فنِّ تعمیر کے اس شاہکار کی کثیر الجہات رعنائیوں اور گہرائیوں کا ادراک نہیں کر سکتا۔

اسی طرح جو لوگ کربلا کو فقط ایک داستانِ غم کے زاویہ سے دیکھتے ہیں، وہ کربلا کے کئی دیگر گوشوں کی عظمت اور گہرائی سے غافل رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جہاں ہم کربلا کو انسانی عاطفے اور احساس کی معراج کے طور پر دیکھیں، کربلا والوں کے مصائب اور غم پر روئیں، رُلائیں، وہاں تحت الثریٰ سے عرشِ معلّٰی تک پھیلی اس عظیم حقیقت کا دوسرے زاویوں سے بھی ضرور مشاہدہ کریں۔

کربلا کو جہاں رُلانے کے لئے ایک داستانِ غم کے طور پر لیا جاتا ہے، وہاں اسے شجاعت و بہادری کے ایک عظیم معرکہ کے طور پر بھی لیا جائے۔ جہاں اسے خاندان پیغمبر اکرم ﷺ کی اسیری کی تاریخ کے طور پر لیا جاتا ہے، وہاں اسے حماسہ و عرفان کی ایک عظیم داستان کے طور پر بھی لیا جائے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم کربلا کو کبھی قرآنی آیات کی روشنی میں، تو کبھی نبوی ارشادات کے تناظر میں، کبھی انسانی سیاست کے زاویہ سے، تو کبھی فلسفہ و عرفان کے زاویے سے، کبھی احساس و عاطفہ کے منظر سے، تو کبھی علمِ اخلاق کے زاویہ سے دیکھیں۔ یقینا کربلا، ہر نئے زاویے سے ہمیں نئی روشنی عطا کرے گی۔

البتہ کربلا کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے انسان کو اُن جہات اور زاویوں سے آشنا کیا جائے اور اُسے وہاں لا کھڑا کیا جائے جہاں سے وہ کربلا کی کوئی نئی تصویر اور نیا رُخ مشاہدہ کر سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ایک مقالہ نگار، مصنّف، مقرر اور استاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مخاطبین کی رہنمائی فرمائے اور وہ علمی، فکری مقدّمات فراہم کر دے جو اُنہیں کربلا کے مشاہدہ کے جدید زاویے عطا کریں۔ میں نے اس مقالہ میں مقدور بھر کوشش کی ہے کہ اپنے قارئین کو کربلا کے مشاہدہ کا ایک جدید زاویہ مہیّا کر دوں۔ یہ انسانی کرامت اور خودی کی بلندیوں کا اُفق اور زاویہ ہے۔ ملاحظہ فرمایئے! کربلا اِس زاویے سے ہمارے سامنے کیا تجلّی پیش کرتی ہے۔

خدائی، خودی کا راز

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو نفس عطا کیا ہے، وہ کسی ذی نفس کو عطا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو خودی اور کرامت، انسان کو عطا کی ہے، وہ کائنات کی کسی مخلوق کو عطا نہیں کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (2)

یعنی: "اور بے شک ہم نے آدم کی اولاد کو کرامت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری عطا کی اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر، جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے، فضیلت دے کر برتر بنا دیا۔"

انسانی نفس کی کرامت کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی ہے اور اسے اپنی معرفت کا باب قرار دیا ہے۔ جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا" (3) یعنی: "اور نفس کی قسم! اور اس ذات کی قسم جس نے نفس کو معتدل بنایا!" دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

"سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ

اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ" (4)

یعنی: "ہم اپنی نشانیاں انہیں عنقریب آفاق میں اور خود ان کے اپنے "نفوس" میں دکھائیں گے؛ تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے؛ آیا کافی نہیں کہ تیرا پروردگار ہر شئے پر گواہ ہے؟"

تیسری جگہ ارشاد ہے: وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (5) یعنی: "اور زمین میں اہل یقین کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفوس میں؛ آیا دیکھتے نہیں ہو؟!"

حضرت رسول اکرم ﷺ سے منسوب ایک حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ، عَرَفَ رَبَّهُ" (6) یعنی: "جس نے اپنے آپ کو پہچانا، اُس نے اپنے خدا کو پہچانا۔" یا حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے: "مَعْرِفَةُ النَّفْسِ أَنْفَعُ الْمَعَارِفِ" (7) یعنی: "نفس کی معرفت، سب سے زیادہ نفع بخش معرفت ہے۔"

بنابریں، بقول حکیم الامّت، علامہ محمد اقبال، خودی کا سرّ، لا الٰہ الّا اللہ" یا توحید میں پوشیدہ ہے۔ لٰہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ خودی، خدائی میں اور خودی میں خدائی پائی جاتی ہے۔ علامہ اقبال نے ایک اور مقام پر کیا خوب کہا ہے

خودی کی خلوتوں میں کبریائی — خودی کی جلوتوں میں مصطفائی

زمین و آسمان و کرسی و عرش — خودی کی زد میں ہے ساری خدائی (8)

اسی لئے خود شناسی، خدا شناسی کا سنگِ بنیاد ہے۔ خداشناس انسانی کرامتوں کی معراج پر فائز ہوتا ہے اور وہ کسی صورت اپنی خودی نہیں بیچتا۔ جب ایک انسان کے اندر نفس کی کرامت پیدا ہوجائے تو پھر وہ تمام انسانی فضائل اور خلاقی خوبیوں سے مزین ہوتا ہے۔ ایسا انسان دنیاوی خواہشات، فانی لذّات اور حیوانی غرائز کو نظر انداز کرتے ہوئے اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی پاسداری کو ترجیح دیتا ہے۔ جیساکہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: "مَنْ كَرُمَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهُ هَانَتْ عَلَيْهِ شَهَوَاتُه" (9) یعنی: "جس شخص کے نفس میں کرامت آ جائے، اُس پر شہوتیں بے ارزش ہو جاتی ہیں۔" پس ایک انسان کا سب سے بڑا فخر یہ ہے کہ وہ انسانی کرامت کی معراج پر فائز ہو اور اُس کی خودی اتنی سربلند ہو کہ اُس کا سر، درِ باطل پر جھکایا نہ جاسکے۔ (10)

خدافراموشی، بے خودی

اوپر بیان شدہ مطلب کے بالکل برعکس، انسانی خودی کے وقار کا خیال نہ رکھنا، اِسے کوڑیوں کے عوض بیچ دینا اور انسانی کرامت کو گنوا دینا، انسانیّت کے مقام سے گر کر حیوانیّت کے درجہ تک سقوط ہے۔ یہ امر انسان کو حیوان سے بھی پست تر بنا دیتا ہے۔ درحقیقت، جب انسان اپنے خدا سے غافل ہو جائے، تو اُس کی خدافراموشی، خودی، بے خودی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی لئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ" (11)

یعنی: ''ان لوگوں کی مانند نہ بن جاؤ جنہوں نے خدا کو بھلا دیا؛ تو خدا نے انہیں ان کے ''نفس'' بھلا دیے۔''

اس آیۂ مجیدہ کا سبق یہی ہے کہ انسان، انسانیّت کے جوہر کی حفاظت سے کبھی غفلت نہ برتے۔ اور ایسا تب ممکن ہے جب انسان خدا سے غافل نہ ہو۔ اس نکتہ کی ترجمانی میں علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

نگہ پیدا کر اے غافل! تجلّی عینِ فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا!

لہٰذا جب ایک انسان خدا کو بھول کر دنیا طلبی اور دنیا پرستی کے بھنور میں پھنس جاتا ہے تو اپنی خودی گنوا دیتا ہے اور اُس کے سر سے انسانی کرامت کا تاج اتر جاتا ہے۔ یہ دُنیا، جس کا معنی ہی "گھٹیا" ہے، اگر انسان کے نفس کی قیمت قرار پا جائے تو یہ انسان کے لئے بہت بڑا خسارے کا سودا ہے۔ اسی لئے حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

'' أَكْرِمْ نَفْسَكَ عَنْ كُلِّ دَنِيَّةٍ وَإِنْ سَاقَتْكَ إِلَى الرَّغَائِبِ فَإِنَّكَ لَنْ تَعْتَاضَ بِمَا تَبْذُلُ مِنْ نَفْسِكَ عِوَضاً''

یعنی: ''اپنے نفس کو ہر پستی سے بچاؤ! خواہ تمہیں رغائب کی طرف ہی کیوں نہ بلائے؛ یاد رکھیے کہ اگر تم نے نفس کو کھو دیا تو پھر کوئی چیز اس کا نعم البدل نہیں بن سکتی۔'' (12)

یقینا دنیا کی کوئی چیز، کوئی منصب و مقام اور مملکت و ریاست، انسانی کرامت اور خودی کی قیمت نہیں بن سکتے۔ جیسا کہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ یہ اشعار پڑھتے تھے:

أُثَامِنُ بِالنَّفْسِ النَّفِيْسَةِ رَبَّهَا   وَلَيْسَ لَهَا فِي الْخَلْقِ كُلِّهِمْ ثَمَنٌ
بِهَا يُشْتَرَى الْجَنَّاتُ إِنْ أَنَا   بِعْتُهَا بِشَيْئٍ سِوَاهَا فَإِنَّ ذَلِكَ غَبَنٌ (13)

یعنی: '' میرے قیمتی نفس کی قیمت اس کا پروردگار ہی ہے اور اس کے علاوہ پوری کائنات میں کوئی چیز میرے نفس کی قیمت قرار نہیں دی جا سکتی۔ اس نفس کے ذریعے تو جنتیں خریدی جاتی ہیں اور اگر میں اسے اس سے کم قیمت پر بیچ دوں تو پھر یقینا یہ خسارے کا سودا ہے۔''

پس اگر انسان اپنے نفس کو کرامت کا تاج نہ پہنا سکے تو اخلاقی پستیوں میں گر جاتا ہے۔ جو انسان جو اپنے نفس کی کرامت کا قائل نہ ہو، وہ تمام اخلاقی اقدار کو بڑی دیدہ دلیری سے پامال کر دیتا ہے اور دنیاوی آرام و آسائش اور ہوائے نفس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔اس مطلب کی طرف حضرت علی علیہ السلام نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے:

''مَنْ هَانَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهُ فَلَا تَأْمَنَّ شَرَّهُ'' (14)

یعنی: ''جس شخص کی نظر میں اس کے نفس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو، اس کے شر سے خود کو محفوظ نہ سمجھو۔'' دراصل، ہر بے دینی، غیر اخلاقی کام اور گھٹیا حرکت، انسانی نفس کی کرامت کے خلاف اور انسانی خودی کی تذلیل اور خواری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، والدین کی نافرمانی، جھوٹ، فریب اور مکّاری جیسی تمام اخلاقی برائیاں، انسانیّت کی معراج سے حیوانیّت کی پستیوں میں سقوط ہیں۔

کیونکہ انسان جس چیز کا طالب ہوتا ہے، وہ چیز اُس کی شخصیّت کا جزو بن جاتی ہے۔ اگر ایک انسان اللہ تعالیٰ کی مشیّت کا طالب ہو تو اُس کی خودی میں خدائی عنصر غالب آ جاتا ہے اور اگر انسان دنیاوی مال و متاع، مقامات اور اشیاء کا طالب ہو جائے تو اُس کی شخصیّت میں پستی اور گھٹیا پن آ جاتا ہے۔ جیسا کہ سرکار انبیاءؑ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''مَنْ اَحَبَّنَا كَانَ مَعَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَوْ اَنَّ رَجُلاً اَحَبَّ حَجَراً لَحَشَرَهُ اللهُ مَعَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' (15)

یعنی: '' جو شخص ہم سے محبت کرے گا، وہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ ہوگا؛ اور اگر ایک شخص کسی پتھر کا دلدادہ بن جائے تو قیامت کے دن اسی پتھر کے ہمراہ محشور ہوگا۔''

دراصل، کسی چیز کے ساتھ انسان کا حشر و نشر، انسان کے اندرونی ملکات کی بنیاد پر ہو گا۔ اگر ایک انسان انبیاء و اولیاء کے ساتھ محشور ہو تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے اندر اولیاء خدا کی صفات پائی جاتی ہیں جو اُس کی ماہیت کا جزو لاینفک بن چکی ہیں اور اگر ایک انسان پتھر کے ساتھ محشور ہو رہا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خود انسانیّت کے دائرے سے نکل کر پتھر بن چکا ہے۔ بقول ایک فارسی شاعر

گر بود اندیشہ ات گل، گلشنی　　　ور بود خاری تو ھیمۂ گلخنی

من فاش کنم حقیقت مطلب را　　　ھر چیز کہ در جستن آنی، آنی

یعنی: ''اگر تیرے افکار پر پھول غالب ہوں تو تم گلشن ہو اور اگر تمہاری سوچوں میں کانٹے ہوں تو تم چولہے کا ایندھن ہو۔ میں اس مطلب کی حقیقت مزید آشکار کیے دیتا ہوں کہ تم جس چیز کی تلاش میں ہو، در حقیقت، تم خود وہی چیز ہو۔''

پس خودی میں خدائی ہے اور بے خودی میں روسیاہی ہے۔ اور روسیاہی سے بچنے کا واحد راستہ، خدائی، انقطاعِ الی اللہ اور فنا فی اللہ ہے۔ حکیم الامّت، علامہ محمد اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے

جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی!

کربلا، خودی کی سربلندی اور انسانی کرامت کی معراج

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں جب ہم واقعۂ کربلا پر دوبارہ نظر ڈالتے اور اس واقعہ پر ایک نئی جہت اور نئے زاویے سے نگاہ دوڑاتے ہیں تو کربلا، ہمیں انسانی خودی کی سربلندی اور کرامت کی معراج و مُعلّیٰ نظر آتی ہے۔ یقیناً کربلا کو "کربلا مُعلّیٰ" کہنا بجا ہے؛ کیونکہ کربلا، انسانی کرامت اور خودی کی ثریا ہے۔ کربلا میں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے انصار و اصحاب نے انسانی نفس کی بلندیوں کی وہ چوٹی سر کی جس کی بلندی تک عام انسانوں کے مرغِ تخیّل کے پاس طاقتِ پرواز نہیں ہے۔ آپ علیہ السلام اُس مقام پر پہنچے کہ آپ سے خطاب ہوا:

''يٰأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَةً''(16)

یعنی: ''اے مطمئن نفس! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آؤ! اس حالت میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی!''

آپ کے اسی مقام و منزلت کے پیشِ نظر حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اقرؤا سورۃ الفجر فی فرائضکم و نوافلکم فانّھا سورۃ الحسین بن علی علیھما السلام۔ من قرأھا کان مع الحسین یوم القیامۃ فی درجتہ من الجنّۃ؛ ان اللہ عزو جل عزیز حکیم فقال لہ ابو اسامۃ: کیف صارت ھٰذہ السورۃ للحسین خاصۃ؟ فقال: ألا تسمع الی قولہ تعالیٰ: يٰأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَةً (17)

یعنی: "اپنی فریضہ اور نافلہ نمازوں میں سورۂ "الفجر" کی تلاوت کیا کرو! کہ یہ سورۃ الحسین ابن علی علیہما السلام ہے۔ جس نے اس سورہ کی تلاوت کی وہ قیامت کے دن جنّت میں حسین کے ساتھ آپ کے درجہ میں ہو گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ باعزّت اور صاحبِ حکمت ہے۔" ابو اسامہ نے آپ سے دریافت کیا کہ یہ سورہ کیسے امام حسینؑ کے ساتھ مخصوص ہو گئی؟ تو آپ نے فرمایا: "آیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: ''اے مطمئن نفس! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آؤ! اس حالت میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی! پس میرے بندوں میں شامل اور میری جنّت میں داخل ہو جاؤ!''

حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہ مقام اِس لئے عطا ہوا کہ آپ کے فکر و اندیشہ میں خدا کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا تھا۔ آپ کی زبان حال یہی تھی:

ترکت الخلق طرّا فی ھواك و أیتمت العیال لکی أراك

فلو قطعتنی فی الحبّ إربا لما مال الفؤاد إلی سواک (18)

یعنی: "میں نے پوری کائنات تیری چاہت میں ترک کر دی ہے اور تیرے دیدار کے شوق میں اپنے بچے یتیم کیے ہیں۔ اگر تو مجھے اپنی محبّت میں ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دے تو میرا دل تیرے غیر کی طرف مائل نہ ہو گا۔"

البتہ آپ کی خدا پرستی اور خدائی نے آپ علیہ السلام کی خودی کو سربلندی بخشی اور آپ کرامتِ نفس کی اُس منزل پر پہنچے کہ جہاں سر کٹوایا جا سکتا تھا؛ لیکن "گردن درِ باطل پہ جھکائی نہیں جاتی!" آپ کی خودی عشقِ الٰہی کی غیرت سے محکم تھی۔ آپ کے شریف اور باغیرت نفس کی ماہیّت کا تقاضا یہی تھا جو آپ فرما رہے تھے: ''هَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَةُ'' (19) یعنی: ''ہم ہر گز ذلّت قبول نہیں کر سکتے۔'' آپ نے یہ بھی فرمایا: ''مَوْتٌ فِيْ عِزٍّ خَيْرٌ مِنْ حَيٰوةٍ فِيْ ذُلٍّ''(20) یعنی: ''ذلّت کی زندگی سے عزّت کی موت بہتر ہے۔'' یوں آپ نے قیامت تک آنے والی ہر باشعور قوم کے لئے کرامتِ نفس کا یہ سنہری اصول چھوڑا:

چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نیزے کی نوک پر!
لیکن یزیدیوں کی بیعت نہ کر قبول!

کربلا کے محشر میں بھی آپ کے نفس میں بلا کا اطمینان تھا۔ کسی لختِ جگر کی شہادت، آپ کے پائے استقلال میں تزلزل ایجاد نہ کر سکی۔ دشتِ بلا و غم میں آپ کی ثابت قدمی، آپ کی خودی کی سربلندی کا پتہ دی رہی تھی۔ اس حوالے سے جوش ملیح آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دم بدم — دشت ثبات و عزم ہے دشت بلا و غم
صبر مسیح و جرأت سقراط کی قسم! — اس راہ میں ہے ایک ہی انسان کا قدم
جس کی رگوں میں آتش بدر و حنین ہے — جس سورما کا نام گرامی حسین ہے!

حضرت امام حسین علیہ السلام کے نفس کی کرامت اور اطمینان کا یہ عالم تھا کہ آپ کا سر تن سے جدا کرنے کی غرض سے آنے والے شخص، ہلال بن نافع کا کہنا ہے:

فواللہ ما رأیت قتیلا مخضبا بدمہ أحسن منہ و انور وجھا، شغلنی نور وجھہ و جمال ھیأتہ عن الفکرۃ فی قتلہ (21)

یعنی: "اللہ کی قسم! میں نے ایسا کوئی مقتول نہیں دیکھا جو اپنے خون میں خضاب آلود ہو اور حسین (علیہ السلام) سے زیادہ خوبصورت اور نورانی ہو۔ اُن کے چہرے کے نور اور پیکر کے جمال نے مجھے ان کا سر تن سے جدا کرنے سے روک دیا۔"

میدان کربلا میں ہر قربانی پیش کرنے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے وقار اور عظمت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور آپ کے خشک ہونٹوں اور سوکھی زبان پر یہ مناجات تھی:

"صبرا علی قضائك یا ربّ لا الہ سواك یا غیاث المستغیثین، ما لی ربّ سواك و لا معبود غیرك صبرا علی حكمك یا غیاث من لا غیاث لہ۔۔۔"(22)

یعنی: "اے پروردگار! میں تیری قضا پر صابر ہوں؛ اے فریاد کرنے والوں کی فریاد سننے والے! تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے۔ تیرے سوا نہ کوئی میرا پالنے والا ہے، نہ میرا معبود ہے۔ اے ایسے لوگوں کے فریاد رس جن کا کوئی فریاد رس نہ ہو! میں نے تیرے حکم پر صبر اختیار کیا ہے۔۔۔"

یہ ایک حقیقت ہے کہ کربلا کے میدان میں نہ فقط حضرت امام حسین علیہ السلام، بلکہ آپ کے تمام انصار و اصحاب تعمیرِ خودی کی عظیم منزلوں اور نفس کی کرامت کی معراج پر فائز بھی تھے اور انہیں اپنے مقام کی عظمت کا بھی بھرپور ادراک بھی تھا۔ وہ اس حوالے سے علم الیقین کی منزل پر فائز تھے کہ جس نے خدا کی رضا کے لئے اپنی خودی کو سربلند رکھا، وہ زندہ جاوید ہوا۔ کسی شاعر نے کربلا والوں کے فکر و فلسفہ اور اُن کی منطق کی یوں ترجمانی کی ہے:

دَورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد — ہے ابتداء ہماری، تیری انتہاء کے بعد

ہمیں اہلِ کربلا کی اس ذہنی رسائی اور باطنی کیفیّت کا بیان دربارِیزید میں حضرت زینب سلام اللہ علیہاکے ان الفاظ میں صاف صاف جھلکتا نظر آتا ہے:

أظننت یایزید حیث اخذت علینا--- ان بنا علی الله هوانا و بك علی الله کرامة؟ --- فوالله لا تمحوا ذکرنا و لا تمیت وحینا---" (23)

یعنی: "اے یزید! ہم پر زمین و آسمان کا گھیرا تنگ کرنے کے بعد تیرا کیا گمان ہے کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں رسوا ہوئے اور تجھے کرامت ملی؟ (نہیں! یہ تیری خام خیالی ہے؛ بلکہ ہم زندۂ جاوید ہیں) اور اللہ کی قسم! تو ہمارا ذکر مٹا نہیں سکتا اور ہماری وحی کو موت کی سان چڑھا نہیں سکتا!"
کیوں؟ اس لئے کہ جس کے اندر حقیقی خودی بیدار اور جس کا نفس عشقِ پروردگار سے سرمست ہو، وہ کبھی مرتا نہیں؛ بلکہ جریدۂ عالم پر اُس کا دوام ثبت ہو جاتا ہے۔ یہ وہی حقیقت ہے جس کی ترجمانی حکیم الامّت، علامہ محمد اقبال نے اپنے الفاظ میں یوں کی ہے:

خودی میں ڈوب جا غافل، یہ سرّ زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا!

*****

حوالہ جات

1۔ابراہیم/۲۴-۲۵

2۔الاِسراء/ ۷۰۔

3۔الشّمس/۷۔

4۔فصّلت/۵۳۔

5۔الذاریات/۲۰،۲۱۔

6۔المنسوب للامام الصادق، مصباح الشریعہ، الطبعة الاولیٰ، مؤسسة الاعلمی، ۱۴۰۰ھ۔ق، ص 13، بیروت۔

7۔آمدی، الواحد، غرر الحکم و درر الکلم (کلمات قصار امیر المؤمنین)، مؤسسۃ انتشاراتی امام عصر، حدیث 151 قم۔

8۔علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، ص 301۔

9۔نہج البلاغہ، حکمت 441۔

10۔اس موضوع پر مزید مطالعہ کے لئے دیکھیے:

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین، اسلام اور اخلاقی اقدار، ہادی فاؤنڈیشن، مارچ/2010، ص 145 تا 179۔

11۔الحشر/۱۹

12۔نہج البلاغہ، فیض مکتوب/۳۱۔

13۔المجلسی، بحار الانوار، مؤسسۃ الوفا، الطبع الثانیۃ، ۱۴۰۳ھ، ج 75، ص 35، باب 21، بیروت۔

14۔الحرانی، ابن شعبہ، تحف العقول عن آل الرسول، مؤسسۃ النشر الاسلامی لجماعۃ المدرّسین، ۱۴۰۴ھ، ق، الطبعۃ الثانیۃ، ص 483، قم، ایران۔

15۔ابن طاؤس، السید رضی الدین علی بن موسی جعفر، اقبال الاعمال، المطبعۃ مکتب الاعلام الاسلامی، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۴ھ، ق، ج ۳، ص ۳۰۔

16۔الفجر/۲۷،۲۸۔

17۔الصفّار، محمد بن الحسن، بصائر الدرجات، منشورات الاعلمی، ۱۴۰۴ھ، ق، ص/۱۶۲، طھران۔

18۔البحرانی، عبد العظیم، من اخلاق الامام الحسین (ع)، انتشارات شریف الرضی، ۲۰۰۰ میلادی، ص ۲۵۸، قم، ایران۔

19۔الشیخ الطبرسی، الاحتجاج، دار النعمان للطباعۃ والنشر، ج ۲، ص ۲۴، النجف الاشرف

20۔المجلسی، بحار الانوار، مؤسسۃ الوفا، الطبع الثانیۃ، ۱۴۰۳ھ، ج ۴۴، ص ۱۹۲، بیروت۔

21۔الامین، السید محسن، اعیان الشیعۃ، دار التعارف للمطبوعات، ج ۱، ص ۶۱۰، بیروت۔

22۔لجنتہ الحدیث فی معھد باقر العلوم (ع)، موسوعۃ کلمات الامام الحسین (ع)، دار المعروف للطباعۃ والنشر، ۱۹۹۵، ص ۶۱۵۔ قم، ایران۔

23۔الحلی، ابن نما، مثیر الاحزان، المطبعۃ الحیدریۃ، ۱۹۵۰ (بمطابق ۱۳۶۹)، ص ۸۱، النجف الاشرف۔